22

بچوں کے اخلاق کس طرح درست ہو سکتے ہیں

(فرمودہ ۱۲ جون ۱۹۲۵)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے پچھلے ایام میں درستی اخلاق کے متعلق متواتر کئی خطبے پڑھے ہیں۔ ان میں سے خصوصیت کے ساتھ دو خطبے ایسے تھے۔ جو بچوں کی اصلاح اور ان کے اخلاق کی درستی اور ان کی ترقی کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا۔ ان کے اخلاق کی درستی اور اصلاح کا بہترین موقع بچپن کا زمانہ ہے۔ اسی واسطے میں نے اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس قیمتی وقت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کو ضائع نہ ہونے دینا چاہیے۔ نیز یہ کہ اس زمانہ میں جتنا گہرا اثر انسان کی طبیعت کے اندر پیدا ہو سکتا ہے بڑی عمر میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس زمانہ میں بچوں کی اخلاقی درستی میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔ میرے ان خطبات کا برا یا بھلا جو بھی اثر ہوا۔ ایک کا تو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ دوسرے کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ امت اسلامیہ کے لئے یہی مقدر ہے کہ جب کبھی بھی اس کے لئے مصائب اور مشکلات اور خطرات پیدا ہوں تو خدا تعالیٰ انہی خطرات میں سے اس کے لئے بہتری کے سامان پیدا کر دے۔ حضرت مولانا روم صاحب کا شعر ہے۔

ہر بلا کیں قوم راحق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

جس کو ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پڑھ کر فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی قوم یا جماعت واقعہ میں مسلمان بن جائے تو اس کے تمام مصائب اور تمام خطرات جن میں وہ گرفتار ہو۔ اس کے لئے موجب نجات اور ترقی ہو جاتے ہیں اور اس پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ جس کا نتیجہ اس

کے لئے سکھ نہیں ہوتا۔ قرآن شریف ایک قوم کی یہ مثال پیش کرتا ہے کہ اس نے دیکھا گھٹا ٹوپ بادل اٹھا ہے۔ انہوں نے سمجھا اب بارش ہو گی اور ان کی کھیتیاں سیراب ہو کر خوب سرسبز اور شاداب ہوں گی۔ لیکن جب وہ بادل آیا تو ایسا برسا کہ بجائے سیرابی اور شادابی کے ان کے لئے تباہی اور بربادی کا موجب بنا۔ مومنین کی حالت بالکل اس کے برعکس ہوتی ہے۔ مومنین کے لئے جب ایسے امکان پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے بظاہر ان کی تباہی اور بربادی نظر آتی ہے تو خدا تعالیٰ انہیں تباہی اور بربادی کے سامانوں میں سے ان کے لئے ترقی اور کامیابی کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔

درحقیقت مومن وہی ہوتا ہے کہ جس کا استقلال جس کا حوصلہ جس کی ہمت خطرات کے وقت قائم رہتی ہے۔ بلکہ جتنے مصائب اور خطرات زیادہ بڑھتے جاتے ہیں اس کی ہمت اس کا حوصلہ اس کا استقلال بھی ساتھ ہی ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی ہمت پست نہیں ہوتی۔ جو شخص معمولی حالات اور خطرات میں بالکل خاموش اور سکون کی حالت میں ہوتا ہے وہ زیادہ خطرات کے وقت بھی مطمئن نظر آتا ہے۔ کیونکہ دوسرے معمولی حالات میں وہ بڑے خطرات سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتا اور خوف کھاتا ہے۔ لیکن جس وقت اس پر حقیقتاً خوف اور مصائب آجاتے ہیں۔ اس وقت اس کے دل میں فوراً یہ خیال آتا ہے کہ ان سے ڈرنا تو میرے ایمان کی کمزوری کی دلیل ہو گی۔ اس لئے وہ چوکس اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔

میں نے پچھلے خطبہ میں جو نصائح بیان کئے تھے مجھے یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے طلباء نے اپنے ایمان کا جوش اور اخلاص کا بہترین نمونہ دکھلایا ہے۔ میں نے نصیحت کی تھی کہ بچوں کو جفاکشی اور مشقت اور ظاہری حالت کی درستی کی بھی عادت ڈالنا چاہیے۔ جفاکشی کی باتوں سے تعلق رکھنے والی ایک بات سر کے اگلے حصہ کے بال کٹوانا تھی۔ میں نے بتلایا تھا کہ بچوں کا ایک خاص طرز کے بال رکھنا اور ان کو بنانا سنوارنا زنانہ خصلت ہے اور آج کل ایک طالب علم کو اس قسم کے بال جس قدر اچھے اور پیارے لگتے ہیں وہ ہر ایک شخص خوب جانتا ہے مگر میرے خطبہ کے سننے کے بعد لڑکوں نے جاتے ہی بغیر استادوں کے کہنے کے اپنے بال کٹوا دیئے۔ اور مجھے بتلانے والوں نے بتلایا ہے کہ انہوں نے ایسے جوش، ایمان اور اخلاص سے اور اپنے دل کی خوشی سے بال کٹوائے ہیں کہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ پہلے میں کٹواؤں پھر کوئی دوسرا کٹوائے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ ایک رؤیا کی بنا پر جب عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور کفار مکہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ عمرہ نہ کر سکے۔ تو صحابہ کو اس پر ابتلاء آیا۔ حالانکہ رؤیا میں اسی سال عمرہ کرنا نہیں بتایا گیا

تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے اسی سال عمرہ ہونا چاہیے۔ لیکن جس وقت آنحضرت ﷺ نے بال منڈوائے تو پھر سب نے اس جوش کے ساتھ بال منڈوائے کہ آپس میں کشمکش شروع ہو گئی اور ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ مجھ سے پہلے دوسرا نہ منڈوا سکے۔ ہمارے طالب علموں نے بھی وہی صحابہ والا جوش اور اخلاص دکھلایا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ انہوں نے جو بال منڈوا کر یہ اقرار کیا ہے۔ کہ وہ بالوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ آئندہ بھی نہایت اخلاص اور ایمانی جوش کے ساتھ اس ارادے پر پختہ اور اس کے پابند رہیں گے۔ ان کو اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ محض بال کٹوا دینا ہی کوئی بڑی خوبی کی بات نہیں۔ کیونکہ جس بات کو انسان پھر اختیار کر سکتا ہے اس کے لئے وقتی طور پر دل کو تسلی بھی دے لیتا ہے۔ اس لئے جب تک بال کٹوانے کے ساتھ وہ ہمیشہ بال کٹوائے رکھنے کا پختہ ارادہ اور نیت نہ کر لیں۔ کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے دیکھا دیکھی انہوں نے اس وقت بال کٹوا دیئے ہوں۔ لیکن جب بال پھر بڑھ جائیں تو کہہ دیا جائے اب نہیں کٹواتے۔ تو دیکھا دیکھا وقتی جوش کے ماتحت بال کٹوانے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک ہمیشہ کٹوانے کی عادت نہ بنا لی جائے۔

ہر ایک قوم کی ایک قومی عادت ہوتی ہے جو اس قوم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ اور اس کو قائم تبھی رکھا جا سکتا ہے کہ تمام قوم اپنی ظاہری حالت کو اس کے مطابق بنائے رکھے۔ مثلاً سکھوں میں بال رکھنا ایک قومی عادت اور قومی نشان ہے۔ ہر ایک سکھ برابر بال رکھتا ہے۔ میرے خیال میں گرمیوں میں سر پر بال رکھنا اتنا بڑا مجاہدہ ہے کہ ہر شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ عورتیں بھی بال رکھتی ہیں۔ مگر ان کا بال رکھنا نسلاً" بعد نسل چلا آیا ہے اور اب ان میں یہ خصلت پیدا ہو گئی ہے۔ اس لئے ان کو تکلیف کا کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن سکھ قوم کی یہ حالت ہے کہ اس نے یکلخت بال بڑھانے شروع کر دیئے۔ اور اب صدیوں سے برابر وہ بال نہیں منڈواتے۔ اس طرح کڑا پہننا بھی ان کی قومی عادت ہے اور ڈاڑھی رکھنا بھی۔ سارے سکھ ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ اس قوم کا جس کے پاس کوئی شریعت نہیں ان عادات کو اپنی قومی عادات بنا لینا ان کی قومیت کو قائم رکھنے کا موجب بن گیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بعض ظاہری شعار انہوں نے اپنی قومیت کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کر لئے۔ اور ان کی وہ قومی طور پر پابندی کرتے ہیں۔ جس سے ان کے اندر یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی قومیت کی خاطر اپنے مذہب کی ایسی پچ کرتے ہیں کہ ہر ایک قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو ظاہری شکلیں اور شعار کوئی بے فائدہ چیز نہیں۔ بلکہ ان کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ قومی عادت کا رنگ اختیار کر لیں۔

پس اگر ہمارے نوجوان ہمت اور جرأت کے ساتھ اسلامی شعار کی پابندی اختیار کر کے ان کی پوری پوری حفاظت کریں تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے اندر ایک خاص قومی سپرٹ پیدا ہو سکتی ہے۔

پس جہاں مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے طلباء نے صحابہ کی طرح ایمانی جوش اور اخلاص سے اپنے بال کٹوائے ہیں۔ اسی طرح مجھے امید ہے کہ وہ اس جوش اور اخلاص کو قائم رکھ کر اسلامی شعار کی پوری پوری حرمت کریں گے۔ سارے سر کے بال رکھنا بھی اسلامی شعار میں سے ہے۔ پس خواہ تمام سر کے بال کٹوائے جائیں یا تمام بال رکھے جائیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی سر کے بال رکھے ہوئے تھے۔ بہرحال ایسا ہونا چاہیے کہ ان کی صورت کو دیکھ کر ہر ایک کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ احمدی ہیں اور اسلامی شعار کے پابند ہیں۔

اسی طرح نماز باجماعت کی بھی بچوں کو پختہ عادت ڈالنا چاہیے۔ اور کوئی نماز باجماعت رہ جانے سے ایسا احساس ہونا چاہیے کہ گویا کوئی قیمتی چیز ان کے ہاتھ سے ضائع ہو گئی ہے۔ اگر ان کے اندر نماز باجماعت رہ جانے سے افسوس اور ندامت پیدا نہ ہو تو پھر یہ عادت نہیں کہلائے گی۔ یا اس کو ہم پابندی نہیں کہہ سکتے۔ میں دو قسم کے لفظ بول رہا ہوں ایک عادت ہوتی ہے اور ایک پابندی۔ جو دو قسم کے ایمانوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ عادت تو یہ ہے کہ انسان کو شوق نہیں ہوتا لیکن وہ اس کی عادت ڈالتا ہے اور ایک یہ کہ اس کو شوق ہوتا ہے اور شوق سے اس کی پابندی کرتا ہے۔ پس خواہ کسی کو پوری عادت ہو جائے یا پوری پابندی اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں نماز باجماعت کے رہ جانے سے افسوس کرے گا اور غم کھائے گا۔ خواہ بیماری کی وجہ سے ہی کیوں نہ رہ جائے اور میں اپنے ان طالب علموں سے صرف یہی امید نہیں رکھتا کہ وہ خود نماز باجماعت کی پکی عادت یا پابندی اختیار کریں گے بلکہ میں یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی جو ان کے زیر اثر ہیں نماز باجماعت کا عادی بنائیں گے بلکہ اپنے حلقہ اثر کو اور بھی زیادہ وسیع کریں گے تا کہ کوئی ان کے مقابلہ کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ اور ان کے ملنے والے ان کا نمونہ اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور وہ سمجھ لیں کہ ان سے ملے رہنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ ان جیسے بنیں۔ اس طریق سے مل کر بیٹھنے والے تعلقات رکھنے والے تو کم از کم شعار اسلام کی پابندی کے لئے مجبور ہوں گے۔ ان کی مجبوری ایسی نہیں ہو گی جو سختی اور تشدد کا نتیجہ ہو۔ بلکہ انسان میں یہ فطرتی بات ہے کہ جو کچھ وہ دوسروں کو کرتے دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں بھی اس کا احساس ہوتا ہے۔ آج سے پہلے

سکول کی یہ حالت تھی کہ تمام طالب علم نمازوں کے بہت پابند ہوتے تھے اور جو کمزور ہوتے تھے وہ بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی نماز باجماعت کے پابند ہو جاتے تھے۔ اگر پھر بھی کوئی رہ جاتے تھے تو سکول میں چاروں طرف سے ان کی اس حرکت پر اس قدر ملامت شروع ہو جاتی کہ شاذونادر ہی کوئی ایسا ڈھیٹ ہوتا ہوگا جو اپنی عادت کو نہ چھوڑے۔ مگر یہ اثر تبھی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک طالب علم احمدیوں کا سا شعار اختیار کرے۔ اگر ہر ایک احمدیت کے شعار کو اختیار نہیں کرتا تو چند ایک کا ایسا کرنا احمدیت کا معیار نہیں ٹھہر سکتا۔ اور نہ اس کا دوسروں پر کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔

اگر تمام طالب علم نماز باجماعت کی پکی عادت ڈال لیں اور پورے پابند ہو جائیں تو کمزوروں کے اندر خود بخود اس کا احساس پیدا ہو جائے گا۔ پہلے ان کی اپنی اصلاح ہوگی اور پھر اس کا اثر ان کے ملنے والے لڑکوں پر ہوگا۔ اور اس طرح ان کا حلقہ اثر سکول کے لڑکوں سے باہر تک وسعت پکڑ جائے گا۔ بلکہ اگر طالب علم ہمت اور جرأت سے کام لیں تو وہ بڑوں کے لئے بھی نمونہ بن سکتے ہیں اور لوگ عام طور پر ان کی اتباع کریں گے۔ اس بات کے بیان کرنے کے بعد کہ سب سے پہلے ہمارے طلباء دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔ تاکہ بڑوں میں سے بھی جو نماز باجماعت کے ادا کرنے میں سست ہیں۔ ان کے نمونہ سے شرمائیں اور ان کے اندر بھی پابندی کا احساس ہو۔

اس وقت میں دو اور باتیں بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ بھی اخلاق کی درستی کے لئے ہی ہیں۔ دنیا میں اخلاق کی درستی دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تو ایمان کے ذریعے سے۔ کہ جس وقت اس سے کوئی بد اخلاقی سرزد ہوتی ہے۔ ایمان کی وجہ سے وہ فوراً چوکس اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔ گویا سوتا تھا۔ پھر یکلخت جاگ اٹھتا ہے اور ایک اخلاق کی درستی عادت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور عادت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عادت وہ ہوتی ہے جو اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہے۔ اور ایک عادت وہ ہوتی ہے جو اپنی ذات میں بری ہوتی ہے۔ اور پھر جو عادت اپنی ذات میں اچھی ہوتی ہے اس سے اور اچھی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو اپنی ذات میں بری ہوتی ہیں اس سے اور بری عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس وہ اچھی اور نیک عادت کہ جس سے اور بھی اچھی اور نیک عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ انسان طبعاً اس کی پچ اور عزت کرتا ہے جب وہ اپنے آپ کو اس نیک عادت کی طرف منسوب سمجھتا ہے تو اس کی غیرت اس کے خلاف کرتے ہوئے اس کو ملامت کرتی ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے۔ کہ اپنا سائین بورڈ درست رکھے۔

ایک شخص جس نے سائن بورڈ تو یہ لگایا ہوا ہے کہ اس دوکان پر بوٹ فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن اندر اس نے چاول ڈال رکھے ہوں تو جب کوئی بوٹوں کا گاہک آئے گا دوکان میں چاول دیکھ کر اسے ملامت کرے گا اور وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ کیونکہ بوٹوں اور چاولوں میں اتنا بڑا فرق ہے۔ کہ اس کے لئے بحث کرنے اور توجیہیں بیان کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اس کو خاموشی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو گا۔ ہاں اگر چاولوں کا اس نے بورڈ لگایا ہوا ہوتا تو موٹے یا باریک چاولوں کی بحث بھی ہو سکتی تھی۔ تو بعض باتیں اتنی موٹی اور ایسی واضح اور کھلی ہوتی ہیں کہ جن کے متعلق بحث کا کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر شریعت میں نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم نہ ہوتا تو ایک بے نماز کو یہ بحث کرنے کا موقع مل سکتا تھا کہ میں تو گھر پر نماز پڑھ لیتا ہوں لیکن جس صورت میں نماز با جماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے نہیں آتا وہ یہ عذر نہیں کر سکتا کہ میں گھر پر پڑھ لیتا ہوں۔ پس ایسے احکام جو کھلے اور نمایاں ہوں ہر ایک کی جن پر نظر پڑتی ہو ان کی پابندی سے انسان کے اندر ایک قومی غیرت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ اخلاق سے اتنا دور نہیں جا پڑتا کہ قوم میں مطعون ہو جائے۔

ان دو باتوں میں سے ایک ڈاڑھی رکھنا ہے مجھے ہمیشہ حیرت ہوا کرتی ہے کہ لوگ ڈاڑھی کیوں منڈواتے ہیں۔ میں بھی ڈاڑھی رکھتا ہوں۔ ڈاڑھی منڈوانے کی کوئی وجہ مجھے نظر نہیں آتی میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ کوئی شخص سر جھکائے چلا آتا ہو اور دریافت کرنے پر اس نے یہ کہا ہو کہ ڈاڑھی کے بوجھ سے میرا سر جھکا جاتا ہے۔ یا کسی شخص کو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ بیتاب ہو رہا اور گھبرایا ہوا جا رہا ہو اور دریافت کرنے پر اس نے یہ بتلایا ہو کہ سخت گرمی لگ رہی ہے۔ ڈاڑھی منڈوانے جا رہا ہوں۔ اسی طرح میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ضرورت کی بناء پر لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہوں دوسروں کی دیکھا دیکھی ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ دوسرے ان پر ہنستے ہیں یا یہ کہ دوسرے بھی سب کے سب نہیں رکھتے۔ جب ڈاڑھی منڈوانے کی کوئی وجہ نہیں تو پھر ضرورت کیا ہے۔ کہ ڈاڑھی منڈوائی جائے۔ ڈاڑھی اسلام کے شعار میں سے ایک شعار ہے۔ اب ایک غیر جو دیکھے گا کہ ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے اور ڈاڑھی منڈواتا ہے۔ تو وہ یہی کہے گا کہ یہ کہلاتا تو مسلمان ہے لیکن اسلامی شعار کی اس کے دل میں کچھ حرمت اور وقعت نہیں۔ اس لئے وہ ڈاڑھی منڈوا کر اسلام کی ہتک کرتا ہے۔ جب ڈاڑھی کا کوئی بوجھ نہیں نہ یہ کہ اس کی وجہ سے سخت گرمی محسوس ہوتی ہے اور ادھر ڈاڑھی رکھنا اسلام کے شعار میں سے ہے۔ اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اس کا مطالبہ کیا ہے۔اے اور یہ حکم ہے بھی ایسا جس کی تعمیل کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ سر کے اگلے حصہ پر رکھے ہوئے بڑے بال تو ٹوپی یا پگڑی کے نیچے انسان چھپا بھی سکتا ہے۔ لیکن ٹھوڑی تو چھپائی نہیں جا سکتی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری اور اسلامی شعار کی حرمت کے لئے اگر ڈاڑھی رکھ لی جائے تو کونسی بڑی بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصول میں سے ہے۔ دیکھئے سوال کرنے والے بھی کیا کیا راہیں نکالتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں کہہ دوں گا نہیں تو پھر وہ یہ کہہ دے گا کہ جب ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصول میں سے نہیں تو چاہے کوئی رکھے اور چاہے نہ رکھے ایک ہی بات ہے۔ مگر میں نے اسے یہ جواب دیا کہ ڈاڑھی رکھنا تو اسلام کے اصول میں سے نہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری کرنا اسلام کے اصول میں سے ہے۔ چونکہ آپ نے حکم فرمایا ہے۔ کہ ڈاڑھی رکھو ۲۔ اس لئے رکھنا ضروری ہے۔

یہ ایسا ہی سوال ہے جیسے مثلاً کوئی پوچھے کیا لکڑیاں اٹھانا اسلامی اصول میں داخل ہے اور جب اسے کہا جائے کہ نہیں تو اس سے وہ یہ نتیجہ نکالے کہ جب اس کے باپ نے اسے لکڑیاں اٹھا کر لانے کے لئے کہا اور اس کے انکار کر دینے پر مارا تو یہ بڑا ظلم کیا۔ بے شک لکڑیاں اٹھانا اصول اسلام میں داخل نہیں۔ لیکن جب کوئی یہ سنے گا کہ باپ نے اس کو لکڑیاں اٹھانے کے لئے کہا اور اس نے انکار کر دیا تو کوئی بھی اس کو مظلوم قرار نہیں دے گا۔ بلکہ ہر ایک اس کو ملامت کرے گا۔ کیونکہ اسلام نے ماں باپ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔ یا مثلاً کوئی سوال کرے کیا مجلس میں آگے ہو کر بیٹھنا کوئی اسلامی اصول کی بات ہے۔ تو ہر ایک یہی جواب دے گا کہ نہیں بلکہ پیچھے بیٹھنے کو انکساری بتائیں گے۔ لیکن اگر کسی کو یہ پتہ لگے کہ نبی یا خلیفہ نے اسے آگے بیٹھنے کے لئے کہا تھا اور اس نے انکار کر دیا تو پھر اس کے پیچھے بیٹھنے کو کوئی انکساری نہیں کہے گا۔ کیونکہ اس نے باجود آقا کے حکم کے صدر میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح ایک سپاہی اگر کسی ڈاکٹر سے پوچھے گا کہ کیا رات کو جاگتے رہنا اچھی بات ہے تو ڈاکٹر یہ نہیں کہے گا کہ ہاں اچھی بات ہے۔ بلکہ وہ یہی کہے گا آرام کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اس سے وہ یہ نتیجہ نکالے کہ رات کو پہرہ کے وقت سو جانے کی سزا میں جو اس کا کورٹ مارشل کیا گیا ہے۔ یہ اس پر ظلم ہوا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ ساری رات جاگنا نہ چاہیے۔ تو یہ درست نہیں ہوگا اس وقت ڈاکٹر بھی اسے یہی کہے گا تجھے جاگنا چاہیے تھا کیونکہ فوجی افسر کا تیرے لئے یہ حکم تھا کہ تو جاگے اور پہرہ دے۔

اسی قسم کا امریکہ کا ایک واقعہ ہے ایک شخص کو جو ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ نہایت خطرہ کے وقت پہرے پر مقرر کیا گیا۔ جس دوسرے سپاہی نے اس کا پہرہ بدلوانا تھا وہ نہ آیا اور زیادہ دیر ہو گئی۔ وہ چونکہ پہرہ دیتا تھک گیا تھا اس لئے اس نے جب ایک جگہ ٹیک لگائی تو سو گیا۔ اس حالت میں افسر آ گیا۔ اسے گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ ججوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ یہ سپاہی تھکا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی آنکھ لگ گئی اور پہرہ بدلوانے والے نے غلطی کی مگر ایسی حالت میں اگر دشمن آجاتا ہے اور اس کو غافل پاتا تو ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتیں۔ اس لئے باوجود اس کے کہ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کو گولی سے مار ڈالا گیا۔ اب اس واقعہ کو اگر کوئی پیش نہ کرے اور کہے اس پر بڑا ظلم ہوا سونا بھی کوئی جرم ہے خصوصاً جب کہ کوئی شخص سخت تھکا ہوا ہو تو یہ اس کی غلطی ہو گی۔ ہمیشہ سوال کی نوعیت کو دیکھنا چاہیے بعض سوال اخلاقی ہوتے ہیں۔ جن کی نوعیت کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ حالات اور واقعات بدلتے رہتے ہیں اور بعض سوال مادی ہوتے ہیں۔ جن کی نوعیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ان کی صحت دیکھی جاتی ہے۔ جتنے اخلاقی امور ہیں۔ ان کو انسان چھپا سکتا ہے۔ اور ان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن بعض مادی اور ظاہری احکام ہوتے ہیں۔ ان کو چھپانے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثلاً سر کے بال ہیں کہ ہر ایک کی نظر ان پر پڑ سکتی ہے۔ بلکہ سر کے بالوں کو تو ٹوپی وغیرہ کے نیچے چھپایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن ٹھوڑی منڈی ہوئی کو تو کوئی نہیں چھپا سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض بڑے آدمی بھی ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ بڑے آدمی سے میری مراد بڑی عمر کے آدمی ہیں۔ اگر انہیں کوئی منع کرے۔ تو کہہ دیتے ہیں کیا ڈاڑھی رکھنا اسلام کے اصولوں میں سے ہے۔ حالانکہ اگر وہ گھر میں بیوی سے کہیں کہ چاول پکانا یا فلاں قسم کا لباس پہننا اور پھر وہ نہ پہنے یا نہ پکائے۔ اور کہہ دے کہ یہ کوئی اسلام کے اصول میں سے ہے تو اس جواب کو وہ کبھی پسند نہ کریں گے۔ میں پوچھتا ہوں جس صورت میں ان کی بیوی جب یہ جواب ان کو دے۔ اسے وہ سننا پسند نہیں کرتے۔ تو جب اپنے اوپر بات آتی ہے۔ پھر وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کیا یہ کوئی اسلام کے اصول کی بات ہے۔ پس میں ایک تو اپنے طالب علموں سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ ان ظاہری احکام اور شعائر اسلام کی پوری پوری پابندی کریں۔ جن کو ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے اور رائے لگا سکتا ہے۔ کہ وہ شعائر اسلام کی حرمت کرتے ہیں یا ہتک۔

دوسری بات جو اخلاق کی درستی کے لئے ضروری ہے اور جس سے اسلام نے اصولاً منع کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی نقصان رساں چیز کی عادت نہ ڈالنا چاہیے۔ دیکھو شراب سے شریعت نے

منع کر دیا ہے۔ کیونکہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے جو چھوٹ نہیں سکتی۔ اور انسان کئی قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی عادت انسان کی آزادی کو کھو دیتی ہے۔ اور دوسرے کا غلام بنا دیتی ہے۔ حقہ نوشی یا سگریٹ نوشی یہ دونوں باتیں بھی ایسی ہی ہیں۔ جن کی عادت سے بڑی بڑی بد اخلاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ایک احمدی یہاں آئے انہیں ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس سے متاثر ہو کر کہنے لگے۔ اب میں کبھی حقہ نہیں پیئوں گا۔ اس کی وجہ سے آج مجھے بہت ذلت اٹھانی پڑی۔ ان ایام میں یہاں عام طور پر حقہ نہیں ملتا تھا۔ اب تو میں دیکھتا ہوں بازاروں بلکہ گلیوں سے بھی ہمارے گھر تک حقہ کی بو جاتی ہے۔ ان کو حقے کی عادت تھی وہ تلاش کرتے کرتے مرزا امام دین کے حلقے میں چلے گئے۔ وہ ہمارے رشتہ دار تھے حضرت مسیح موعودؑ کے چچا زاد بھائی تھے مگر سلسلہ کے سخت مخالف۔ حقے کی خاطر جب وہ احمدی وہاں جا بیٹھے۔ تو مرزا امام دین نے حضرت صاحب کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور لگے ہنسی اور تمسخر کرنے وہ حقے کی خاطر سب کچھ بیٹھے سنتے رہے۔ وہ کہتے ہیں اسی وقت میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ اب حقہ نہ پیئوں گا۔ اسی نے مجھے ذلیل کرایا ہے۔ ان کے اندر کچھ ایمان تھا۔ اس لئے وہ بچ گئے۔ ورنہ کئی شخص یہاں آئے اصلاح کے واسطے مگر حقہ کے لئے اس مجلس میں گئے اور خراب ہو گئے۔ حقے اور تمباکو کی عادت انسان کو نہایت پست ہمت اور دوسرے کا غلام بنا دیتی ہے۔ پٹھان کشمیریوں کو حقیر جانتے ہیں۔ گو ہندوستان میں ان کی ایسی حالت نہیں جیسی کشمیر میں ہے۔ وہاں سے جو لوگ محنت مزدوری کے لئے آتے ہیں۔ عموماً ان کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ایک پٹھان جس کی نسوار کی ڈبیہ کہیں گر گئی تھی۔ وہ نسوار کے لئے بے قرار ہو کر ایک کشمیری سے جو اس کے پاس سے گزرا بڑی لجاجت کے ساتھ کہنے لگا۔ بھائی کشمیری جی تمہارے پاس نسوار ہے۔ تو عادت انسان کو غلام بنا دیتی ہے اور اس کے حوصلہ کو پست کر دیتی ہے۔ میری تو خدا تعالیٰ نے ایسی طبیعت بنائی ہے کہ کسی چیز کی مجھے عادت پڑتی ہی نہیں.................. میں چائے پیتا ہوں گو مجھے عادت نہیں ہوتی تاہم میں چھوڑ بھی دیا کرتا ہوں کہ ممکن ہے کسی وقت کمزوری پیدا ہو جائے۔

تو سگریٹ پینے والے اور حقہ نوش جہاں کہیں لوگوں کو تمباکو پیتے دیکھتے ہیں۔ حقہ کی لالچ میں ان کے پاس جا بیٹھتے ہیں۔ وہ لوگ نیک ہوں یا بد، حقہ کی حرص ان کو وہاں کھینچ لے جاتی ہے۔

ایک ہندو کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اسے حقہ نوشی کی عادت تھی وہ کہیں جا رہا تھا۔ اسے حقہ کی خواہش ہوئی ایک چوڑھے کا حقہ رکھا تھا۔ وہ لے کر پینے لگ گیا حالانکہ چوڑھے کا حقہ پینا تو

دم کنار ہندو چوڑھے کو اپنے ساتھ بھی نہیں لگنے دیتے۔ جب اس نے چوڑھے کو آتے دیکھا تو دل میں خیال کیا یہ اب مجھے جتلائے گا اس لئے اسے آواز دے کر کہنے لگا اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا اور حقہ پی کر خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ تو ہر ایک قسم کی بد عادت سے بچے رہنا چاہیے۔ تا انسان غلامی سے آزاد رہے۔

علاوہ اس کے کہ حقہ نوشی تمام بد اخلاقیوں کا منبع ہے۔ اور اس سے انسان پست ہمت اور دوسروں کا غلام بن جاتا ہے۔ اس کی عادت سے بہت سے امراض بھی پیدا ہوتے ہیں۔ حقہ اعصاب کو نقصان پہنچاتا ہے۔ دمہ، رعشہ اور بیسیوں بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس دوسری نصیحت میری یہ ہے کہ تمباکو پینے سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ علاوہ بہت سی بد اخلاقیوں کے صحت کی خرابی کا بھی موجب ہے۔ احمدیہ چوک اور ہمارے بازاروں میں حقہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے کارکنوں کو بہت سختی کے ساتھ اس امر کی نگرانی کرنی چاہیے۔ مجھے افسوس ہے کہ ہمارے بازاروں میں دوکانوں پر حقہ پیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص کی نسبت آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ ہر وقت مہمان خانہ میں بیٹھا حقہ پیتا رہتا ہے۔ آپ نے اس کو فوراً نکال دیا۔ کہاں یہ بات کہ حقہ پینے والے کو حضرت صاحب مہمان خانے سے نکال دیں۔ اور کہاں یہ کہ اب ہمارے چوک اور بازاروں میں بھی حقہ پیا جاتا ہے۔ اگر کارکنوں سے غفلت ہوئی تھی تو جماعت کے دوسرے دوستوں کا فرض تھا کہ وہ دوکانداروں سے جن کی دوکانوں پر حقہ پیا جاتا ہے۔ یا سگریٹ فروخت کئے جاتے ہیں۔ سودا لینا بند کر دیتے۔ اول تو کارکنوں کے اندر اس نقص کو دور کرنے کا احساس پیدا ہونا چاہیے تھا۔ اگر ان میں نہیں ہوا تھا تو دوسرے لوگوں کا فرض تھا کہ وہ ان کو یاد دلاتے۔ عام لوگوں کو تو حقہ پینے سے جبراً نہیں روک سکتے۔ مگر چونکہ یہ صحت کو خراب کرتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے طالب علموں پر جبر بھی کر سکتے ہیں۔ اس وقت تک بہت سے لوگوں نے میری نصیحت پر حقہ چھوڑ دیا ہے۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں نے چھوڑا ہے۔ چھوٹوں نے بھی اور بڑوں نے بھی امراء نے بھی اور غرباء نے بھی۔ امید ہے بقیہ لوگ بھی اس بد عادت کو چھوڑ دیں گے۔

دجال کی ایک یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اس کے آگے بھی دھواں ہو گا اور پیچھے بھی ۳۔ سگریٹ پینے والا منہ سے دھواں نکالتا ہے۔ پھر وہ دھواں پیچھے کو چلا جاتا ہے۔ یورپین لوگ جدھر جائیں گے۔ سگریٹ پیتے جائیں گے۔ یہ بھی دجالی عادت ہے اور مسیح موعودؑ دجالی عادتوں کو مٹانے آئے تھے۔ پس تم بھی دجالی عادات کو چھوڑ دو۔ یہ دونوں امور جو میں نے بیان کئے ہیں نہ صرف یہ

کہ بری عادتیں ہیں۔ بلکہ دجال کی نشانیاں ہیں۔ اس لئے دجالی نشانیوں کو مٹاؤ اور اپنی اصلاح کرو اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرو۔ تا دنیا کے لئے نمونہ بنو۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے اور تمام بد اخلاقیوں کے موجب امور سے بچنے میں تمہاری مدد فرمائے آمین

(الفضل ۲۳ جون ۱۹۲۵ء)

۱۔ بخاری کتاب اللباس و ابو داؤد کتاب الترجل باب اخذ الشارب

۲۔ مسلم بر روایت مشکوٰۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال